11

کوئی قربانی رنگ لائے بغیر نہیں رہتی
جو شخص دین کے لئے قربانی کرتا ہے وہ ایسے کھیت میں بیج ڈالتا ہے جس سے اُسے کئی گنا زیادہ ملے گا

(فرمودہ 28 مارچ 1947ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''دنیا میں دو ہی نقطہ نگاہ کام کر رہے ہیں۔ ایک نقطہ نگاہ دنیوی ہے اور ایک نقطہ نگاہ دینی ہے۔ دنیوی نقطہ نگاہ سے انسان کی تمام توجہ اور اس کے افعال کا انحصار اولاد پر ہوتا ہے اور دینی نقطہ نگاہ کا انحصار اُن نیک اعمال پر ہوتا ہے جو کہ انسان اِس دنیا میں کرتا ہے اور جو مرنے کے بعد انسان کو نفع بخشتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو کے سوا کوئی تیسرا نقطہ نگاہ نظر نہیں آتا۔ جہاں تک قربانی کا سوال ہے وہ ہر ایک کام کے لئے کرنی پڑتی ہے۔ خواہ وہ کام دینی ہو یا دنیوی ہو۔ اور ہمیں دنیا میں کوئی کام ایسا نظر نہیں آتا جس کے لئے انسان کو قربانی نہ کرنی پڑتی ہو۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص دین کے لئے قربانی کرتا ہے اور کوئی شخص دنیا کے لئے قربانی کرتا ہے۔ اَور تو اَور جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان کو بھی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایک شخص چوری کرتا ہے تو وہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے، اپنی رات کی نیند خراب کرتا ہے اور سردی گرمی کے اثرات کی پروا نہ کرتے ہوئے ایسے وقت میں گھر سے نکلتا ہے جبکہ لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔

اور وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر چوری کرتا ہے۔ اب دیکھو کہ چوری جیسا ذلیل کام بھی قربانی چاہتا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کے پاس ایک دفعہ ایک چور علاج کرانے کے لئے آیا تو آپ نے اسے وعظ و نصیحت کرنی شروع کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہاتھ پاؤں اس لئے نہیں دیئے کہ تم ان سے حرام روزی کھایا کرو بلکہ اس لئے دیئے ہیں کہ تم ان کے ذریعہ حلال روزی کما کر کھایا کرو۔ تم چوری کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے اور کیوں حلال روزی نہیں کماتے؟ جب آپ نے اسے یہ وعظ و نصیحت کی تو اس کی آنکھیں غصے کی وجہ سے سُرخ ہو گئیں۔ اور کہنے لگا اچھا مولوی صاحب! اگر یہ حلال کی روزی نہیں تو پھر اَور کونسی حلال کی روزی ہے۔ آپ لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں اور ہم مارے مارے پھر رہے ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو ہمارے متعلق علم ہو جائے تو وہ ہمیں گولی مار کر ہی مار دے۔ ہم اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر چوری کرتے ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کونسی حلال روزی ہوسکتی ہے۔ حضرت خلیفہ اول نے سمجھا کہ اسے چوری کی عادت پڑ چکی ہے اور یہ کام کرتے کرتے اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور اب یہ کام اس کی نگاہ میں بُرا نہیں رہا۔ اس لئے اب بحث کے رنگ میں سمجھانے سے کوئی خاص فائدہ اسے نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آپ فرماتے کہ میں نے بات کو ٹلا دیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں تا کہ یہ بات اسکے ذہن سے نکل جائے۔ پھر میں نے اسے پوچھا اچھا تم یہ بتاؤ کہ تم چوری کس طرح کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ اکیلا آدمی چوری نہیں کرسکتا بلکہ ہم چھ سات آدمی مل کر چوری کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی گھر کا راز دار ہوتا ہے اور وہ عام طور پر سقّہ یا چوہڑا وغیرہ ہوتا ہے کیونکہ راز دار کے بغیر چوری ہو نہیں سکتی۔ وہی کمروں اور دروازوں کے متعلق بتاتا ہے اور وہی اس بات کے متعلق اطلاع دیتا ہے کہ نقدی اور زیورات کہاں ہیں۔ اس کے بعد ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے جسے سیندھ لگانی آتی ہو۔ اور وہ ایسے طور پر اوزاروں کو استعمال کرے کہ سیندھ لگانے کی آواز پیدا نہ ہو اور اس کی آواز سے گھر والے جاگ نہ پڑیں۔ پھر ایک تیسرا آدمی ایسا ہونا چاہیئے جو تالے وغیرہ کھولنے میں مشّاق ہو۔ جب دوسرا آدمی سیندھ لگا چکتا ہے تو وہ ایک طرف ہو جاتا ہے اور پھر اِس تیسرے آدمی کا کام شروع ہوتا ہے اور وہ صندوقوں کے تالے کھولتا جاتا ہے۔ پھر ایک

چوتھا آدمی ایسا ہونا چاہیئے جو کہ ایسے طور پر چلنے میں مہارت رکھتا ہو کہ اس کے پاؤں کی آہٹ محسوس نہ ہو۔ تیسرا آدمی تالے کھول کر سامان نکال کر چوتھے آدمی کو دیتا جاتا ہے اور وہ باہر والوں کو پکڑاتا جاتا ہے۔ یہ چار ہو گئے۔ پھر ایک پانچویں آدمی کی یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ گلی کے سرے پر کھڑا رہے کہ اگر کسی شخص کو آتا جاتا دیکھے تو سیٹی بجادے یا کوئی اَور اشارہ کر دے تا کہ تمام آخری وقت پر ہوشیار ہو جائیں۔ یہ پانچ ہو گئے۔ پھر چھٹا ایک اَور ایسا ہونا چاہیئے کہ جو سفید کپڑے پہنے ہوئے ہو اور کسی کو اس کے چلنے پھرنے پر شک نہ گزرے۔ کیونکہ ہم تو ننگے دھڑ نگے ہوئے اگر ہمیں کوئی دیکھ لے تو وہ یقیناً ہم پر چور ہونے کا شبہ کرے۔ لیکن یہ آدمی ایسے کپڑوں میں پھرتا ہے کہ کسی کو اس پر شک نہیں گزر سکتا ہم نقدی اور زیورات وغیرہ اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ نہایت اطمینان سے مال لے کر چلا جاتا ہے اور ساتویں کو جو سنار ہوتا ہے دے دیتا ہے جو کہ سونے کو ہیرے اور جواہرات کو لاکھ سے جدا کرتا ہے اور اس کو پگھلا کر ایک نئی شکل دیتا ہے اور اس سونے کو آگے بیچتا ہے اور ہم سب آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اول فرماتے میں نے اُسے کہا کہ اگر تمہاری اتنی محنت کے بعد وہ سنار تمہارا سونا کھا جائے تو پھر تم کیا کر سکتے ہو؟ تو بے اختیار اس چور کے منہ سے نکلا کیا وہ اتنا حرام خور ہو گا کہ دوسرے کا مال کھا جائے گا؟ میں نے کہا بس اب تم سمجھ گئے ہو۔ معلوم ہوا نا کہ دوسروں کا مال کھانا حرام ہے۔ غرض چونکہ حرام مال کے لئے بھی محنت کرنی پڑتی ہے اس لئے بعض لوگ حرام خوری کو بھی حلال خوری کی طرح جائز سمجھتے ہیں۔ جو لوگ عیاشیوں میں پڑتے ہیں وہ بھی قربانیاں کرتے ہیں۔ وہ راتوں کو جاگتے ہیں، دماغ ان کا خراب ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگ کنچنیاں رکھتے ہیں وہ ان کے لئے کتنی قربانیاں کرتے ہیں۔ اپنی جائیدادیں تباہ کر دیتے ہیں اور خود بالکل مفلس اور کنگال ہو جاتے ہیں۔ پس کوئی بُرا کام بھی ایسا نہیں جس میں قربانی نہ کرنی پڑتی ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان افعال کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ لوگ اولادوں کے لئے قربانی کرتے ہیں کہ یہ بعد میں ہمارے نام روشن کریں گی حالانکہ نام روشن کرنے والے تو بہت کم ہوتے ہیں اور بدنام کرنے والے بہت زیادہ ہوتے ہیں بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کو اگر کوئی اچھا عُہدہ مل جائے تو وہ اپنے والدین سے ملنے میں شرم محسوس کرتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ کسی ہندو نے بڑی محنت مشقت کر کے اپنے لڑکے کو بی۔اے یا ایم۔اے کرایا اور اس ڈگری کے حاصل کرنے کے بعد وہ ڈپٹی ہو گیا۔ آجکل تو ڈپٹی کی وہ عزت نہیں ہوتی لیکن پہلے وقتوں میں ڈپٹی ہونا بہت بڑی بات تھی۔اس ڈپٹی کے باپ کو خیال آیا کہ میرا لڑکا ڈپٹی ہو گیا ہے میں بھی اُس سے مل آؤں۔ چنانچہ جس وقت وہ ہندو اپنے بیٹے کو ملنے کے لئے مجلس میں پہنچا تو اس وقت اُس کے پاس وکیل اور بیرسٹر وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ بھی اپنی غلیظ دھوتی لے کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ باتیں ہوتی رہیں۔کسی شخص کو اس غلیظ آدمی کا بیٹھنا بُرا محسوس ہوا تو اس نے پوچھا کہ یہ کون گستاخ آدمی ہماری مجلس میں آبیٹھا ہے؟ ڈپٹی صاحب اسکی یہ بات سن کر کچھ جھینپ سے گئے اور ذلت سے بچنے کے لئے کہنے لگا۔ یہ ہمارے نوکر ہیں۔ باپ اپنے بیٹے کی یہ بات سن کر غصے کے ساتھ جَل گیا اور اپنی چادر سنبھالتے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا جناب! میں ان کا خادم نہیں میں اِن کی ماں کا خادم ہوں۔(یعنی انکی ماں کے نوکر ہیں) ساتھ والوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ ڈپٹی صاحب کے والد ہیں تو انہوں نے ان کو بہت لعن طعن کی اور کہا اگر آپ ہمیں بتاتے تو ہم ان کی تعظیم وتکریم کرتے اور ادب کے ساتھ ان کو بٹھاتے۔

بہر حال اِس قسم کے نظارے روزانہ دیکھنے میں آتے ہیں۔کہ لوگ رشتہ داروں کے ملنے سے جی چُراتے ہیں تا کہ ان کی اعلیٰ پوزیشن میں کوئی کمی واقع نہ ہو جائے۔ پس نام روشن تو کیا ہوگا۔ نام کو بٹہ لگانے والے ہی اکثر ہوتے ہیں۔اور سوائے اُن لوگوں کے جو کہ دینی نقطہ نگاہ سے والدین کی عزت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ والدین کی عزت کرو، سوائے ایسے لوگوں کے دنیا داروں میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ والدین کی پورے طور پر عزت کرتے ہیں۔ اور زمینداروں اور تعلیمیافتہ طبقہ دونوں میں یہی حالات نظر آتے ہیں۔ زمینداروں میں بھی اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب باپ بوڑھا ہو جاتا ہے تو اولاد خدمت نہیں کرتی۔اور اگر باپ خدمت کا کوئی تقاضا کرے تو کہہ دیتے ہیں کہ محنت ہم کریں اور کھائے یہ۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جب تک باپ زندہ ہے وہ جائیداد اُس کی ہے اور وہ تو محنت کر کے نصف آمد کے حقدار بنتے ہیں۔لیکن ایسی مثالیں بہت کم بلکہ شاذ ہی ملیں گی کہ اولاد نے تمام جائیداد کی آمد کا نصف اپنے باپ کے سامنے پیش کر دیا ہو۔ پس یہ جو دنیوی قربانی ہے اس کا پھل

اچھا نظر نہیں آتا۔

دوسری قربانی دینی ہے اور یہ ایسی قربانی ہے جو کہ کبھی بھی انسان کو خسارہ میں نہیں رکھتی۔ کیونکہ یہ قربانی راستبازی پر مبنی ہے اور سچائی کبھی بھی پھل کے بغیر نہیں رہتی۔ دنیوی قربانی میں نقطہ نگاہ اولاد ہوتی ہے اور دنیوی اولاد کے متعلق مَیں بتا چکا ہوں کہ وہ جیتے جی ہی ملنے اور خدمت کرنے سے جی چراتی ہے لیکن دینی قربانی کے نتیجے میں جو روحانی اولاد پیدا ہوتی ہے وہ ہزاروں سال تک اپنے آباء واجداد کو نہیں بھولتی۔ سرحد کی طرف کے بعض طالب علم میرے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ان سے سنا تھا کہ سرحد میں اگر کسی کے ماں باپ کو گالی دی جائے تو وہ اتنا بُرا نہیں مناتا جتنا کہ اسے اپنے پیر کے متعلق کوئی بُرے الفاظ سن کر غصہ آتا ہے اگر کسی کے پیر کے متعلق کوئی بُرا لفظ کہہ دیا جائے تو فوراً دوسرے شخص کو مار ڈالے گا خواہ اُس کا پیر ہو یا نہ ہو۔ بہرحال لفظِ پیر کو ہی وہ قابلِ تعظیم سمجھتے ہیں۔ امرتسر میں ہم نے دیکھا کہ کچھ سندھی جُوتیاں ہاتھ میں پکڑے ہوئے گزر رہے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے پیر کی قبر کی زیارت کے لئے جارہے ہیں۔ پتہ نہیں کہ اُن کا پیر کب کا فوت ہو چکا تھا لیکن اب تک اس کی عظمت ان کے دلوں میں گھر کئے ہوئے ہے اور وہ اسکی قبر کے لئے ننگے پاؤں پیدل چل کر آتے ہیں۔ یہ نظارے روحانی اولاد کے متعلق ہی ہم دیکھتے ہیں۔ جسمانی اولاد تو دوسرے دن ہی بھول جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یہ پسند نہیں کرتی کہ اس کے پیاروں کی محبت دنیا کے دلوں سے نکل جائے۔ جب دنیا بھولنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی مامور کے ذریعہ پھر ان کے ناموں کو دنیا کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو گزرے ہوئے ہزاروں سال گزر گئے ہیں اور کوئی شخص قسم کھا کر نہیں کہہ سکتا کہ نوح علیہ السلام میرے باپ تھے اور میں ان کی نسل میں سے ہوں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کر کے دوبارہ آپ کی یاد آپ کی اولاد کے دلوں میں تازہ کر دی۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بھی آپ کو بھول چکی تھی اور کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت آدم کب پیدا ہوئے اور کہاں پیدا ہوئے اور ان کے حالات کس قسم کے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بھی قرآن شریف میں ذکر کر کے دوبارہ تمام بنی نوع انسان کو یاد دلایا کہ حضرت آدم تمہارے باپ

تھے اور ان کی زندگی اِس رنگ میں گزری۔ حضرت آدمؑ کی اولاد بھول گئی لیکن اللہ تعالیٰ اُن کو نہیں بھولا۔ پس دین کے لئے جو قربانیاں انسان کرتا ہے وہ اسے ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیتی ہیں۔ حالانکہ دنیوی قربانیوں کے مقابلہ میں دین کی قربانی کتنی تھوڑی ہوتی ہے۔ انسان اپنے بیوی اور بچوں کے لئے سارا دن مارا مارا پھرتا ہے اور چوبیس گھنٹوں میں سے صرف گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیک کاموں میں صَرف کرتا ہے اور باقی بائیس یا تئیس گھنٹے وہ اپنی ضروریات کے پورا کرنے میں صَرف کر دیتا ہے۔ اور وہ یہ کوشش کرتا ہے محنت کر کے اور کوشش کر کے کچھ اندوختہ جمع کرے، کچھ جائیداد بنائے جو کہ اُس کی اولاد کے کام آئے اور تا کہ اُس کا بڑھاپا آسانی سے گزر سکے۔ لیکن وہی اولاد جس کے لئے وہ اپنے آپ کو تکالیف میں ڈالتا ہے اور اپنے نفس پر اس کو ترجیح دیتا ہے اور اس کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے اس میں بڑھاپا آتے ہی بغاوت اور نشوز کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ میرے پاس ہزاروں ہزار کیس ایسے آتے ہیں کہ بعض نوجوان اپنی ماؤں کی خبر گیری ترک کر دیتے ہیں۔ اور جب پوچھا جاتا ہے تو اُن کا یہ جواب ہوتا ہے کہ اماں جی کی طبیعت تیز ہے اور میری بیوی سے ان کی بنتی نہیں۔ حالانکہ بیوی کو ماں سے کیا نسبت؟ بیوی نے اس کے فائدے کے لئے کیا کیا ہوتا ہے؟ وہ نوجوانی کی حالت میں اس کی خدمت کرتی ہے لیکن ماں جس نے اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہوتا ہے اور جس نے اپنا خون دودھ کی شکل میں تبدیل کر کے اُس کی پرورش کی ہوتی ہے اور محنت مشقت کر کے اُسے بڑھایا ہوتا ہے اُس سے اِس لئے اعراض کر لیا جاتا ہے کہ بیوی سے اُس کی بنتی نہیں۔ پس دنیوی لحاظ سے تو انسان کو جسمانی اولاد سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچتا۔ لیکن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ہر چیز اولادوں کے لئے جمع کرتے چلے جاتے ہیں۔ خدا کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہوئے ان کے دلوں میں بخل پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی ہمارے بچوں کے کام آئے۔ حالانکہ ان کی اُخروی زندگی کے لئے وہی اندوختہ کارآمد ہوتا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا۔ اور جو اولاد کو دے دیا اس میں انکا حصہ نہیں رہتا۔ اگر اس میں سے اولاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتی تو وہ گنہگار بنتی ہے اور ساتھ یہ شخص بھی گنہگار بنتا ہے۔ اور اگر اولاد اس مال میں سے خرچ کرتی ہے تو اس کا ثواب اولاد کو ملے گا جس نے خرچ کیا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تمہیں کونسا مال پسند آتا ہے؟ تمہیں اپنا مال پسند ہے یا دوسرے کا مال اچھا لگتا ہے یا جو ضائع ہو گیا وہ اچھا لگتا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اِس کا جواب بالکل آسان ہے۔ انسان کو وہی مال اچھا لگتا ہے جو کہ اُس کا اپنا ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔ پھر جو مال مرنے تک تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ حقیقت میں تمہارا مال ہے اور جو مال تم باقی چھوڑتے ہو وہ تو اولاد کا ہے وہ تمہارا نہیں 1 اور جو مال تم کھا پی لیتے ہو وہ ضائع ہو گیا وہ تم کو اگلے جہان میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اور واقع میں اگر دیکھا جائے تو انسان کا اپنا مال وہی ہوتا ہے جو اس نے اگلے جہاں میں بھیجا ہوتا ہے۔ جو باقی چھوڑتا ہے وہ اس کی اولاد کے لئے ہے۔ بعد میں وہ جس طرح چاہے گی خرچ کرے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس فرمان میں یہ ارشاد فرمایا کہ مومن کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ جتنی قربانی اُس سے ہوسکتی ہے وہ کرے تا کہ مرنے کے بعد اس کی اخروی زندگی اللہ تعالیٰ کے فضل سے زیادہ سے زیادہ کامیاب ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ تمہیں بھی تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور تمہارے دشمنوں کو بھی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن تم میں اور ان میں ایک بہت بڑا فرق ہے وہ یہ کہ تمہیں ان کے بدلہ میں ثواب کی امید ہے لیکن کفار کو تو ثواب کی امید نہیں۔ 2 جب وہ قربانی کرتے ہیں تو پھر تمہارے لئے قربانی کرنا کیونکر مشکل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ان کی قربانیوں کی مثال تو ایسی ہے کہ کسی شخص کو یہ کہا جائے کہ تم دو من گندم کنویں میں پھینک دو۔ اول تو وہ ہمیں پاگل سمجھے گا لیکن اگر کسی دباؤ کی وجہ سے کنویں میں پھینکنے پر تیار بھی ہو گا تو گالیاں دیتا ہوا چلا جائے گا۔ بہرحال وہ یہ کام خوشی کے ساتھ نہیں کرے گا لیکن ایک زمیندار کو اگر ہم کہیں کہ اب مناسب وقت ہے فصل بوؤ تو وہ شخص دعائیں دے گا کہ ہم نے اسے وقت پر مشورہ دیا۔ یہی حال قربانیوں کا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی کرتا ہے وہ ایسے کھیت میں بیج ڈالتا ہے جس سے اسے کئی گنا زیادہ ہو کر ملے گا اور جو شخص دوسری اغراض کے لئے قربانی کرتا ہے گویا وہ اپنا بیج دریا میں پھینکتا ہے اور کوئی شخص بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی قربانی ضائع جائے۔ پس اس سے زیادہ احمق اور پاگل اور کون ہوسکتا ہے جو کہ سمندر میں یا دریا میں اپنا بیج پھینک دیتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ احمق اور پاگل اور کون ہوسکتا ہے جو کہ کھیت میں

بیج ڈالتے ہوئے بخل سے کام لیتا ہے۔ اگر واقع میں اللہ تعالیٰ موجود ہے اور وہ جزا سزا کا مالک ہے تو پھر ہر مومن کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر رہنی چاہیئے۔ لیکن اگر کسی شخص کے نزدیک یہ صداقتیں اِس رنگ میں نہیں تو پھر اسے نماز میں وقت ضائع کرنیکا کیا فائدہ۔ اور اسے صدقہ خیرات سے کیا ثواب حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن جو شخص اِن صداقتوں کا قائل ہے اور پھر بھی وہ قربانیوں کے پیش کرنے میں کوتاہی سے کام لیتا ہے ہم اس کے متعلق یہی سمجھیں گے کہ اُسے دین سے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ اگر اسے دلچسپی ہوتی تو وہ بلا وجہ اپنے آپ کو خسارہ میں نہ ڈالتا۔ پس تمام دوستوں کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کی قربانی صحیح قربانی ہو اور وہ قربانی ان کے لئے باعثِ ثواب ہو۔ اگر ہر شخص اپنے اندر حقیقی قربانی کا جوش پیدا کرلے تو ہم بہت جلد دوسری قوموں سے آگے نکل سکتے ہیں۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم تو تھوڑے ہیں اور تھوڑے آدمی آگے نہیں نکل سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی کرنے والی قوم باوجود تھوڑی ہونے کے بڑی بڑی قوموں پر بھاری ہوتی ہے۔ جنگ بدر کے موقع پر کفار کی تعداد ایک ہزار کی تھی اور صحابہؓ کی تعداد 313 تھی۔ جب مسلمانوں کا لشکر میدانِ جنگ میں اترا تو کفار نے ایک تجربہ کار آدمی کو بھجوایا کہ جا کر اسلامی لشکر کا اندازہ لگاؤ کہ مسلمانوں کی تعداد کیا ہے۔ اس نے واپس جا کر بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو سوا تین سو کے درمیان ہے۔ پھر اس نے کہا گو مسلمانوں کی تعداد کم ہے لیکن اے میری قوم! میں آپ لوگوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ مسلمانوں سے لڑائی نہ کی جائے۔ جب اس شخص نے یہ بات کہی تو لوگوں نے اس پر الزام لگایا کہ تم بزدل ہو اس لئے لڑنے سے منہ پھیرتے ہو۔ اس نے کہا یہ بات نہیں کہ میں لڑنے سے ڈرتا ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے سواریوں پر آدمی نہیں دیکھے بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں اور میں نے ان کے چہروں سے محسوس کیا ہے کہ وہ مر جائیں گے لیکن پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ 3 چنانچہ جنگ بدر نے اس بات کی شہادت پیش کر دی کہ وہ تھوڑے سے سمجھے جانے والے لوگ ہی غالب آئے اور قربانی نے اپنا عظیم الشان نتیجہ پیش کر دیا۔

لیکن ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی قربانی بھی بغیر رنگ لائے نہیں رہتی۔ فوری طور پر بے شک اس کے نتائج نظر نہ آتے ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی لوگ چالاکیاں اور

دغابازیاں کرتے تھے اور مسلمانوں کو دکھ دینے اور شہید کرنے کے لئے نئے نئے طریقے سوچتے تھے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قبیلہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم لوگ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ کچھ عالم بھجوا دیں جو کہ ہمیں قرآن کریم سکھائیں۔ آپ نے ان کی درخواست پر قرآن کریم کے ستّر حفاظ ان کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ ایک جگہ پہنچ کر اس شخص نے جو اِن مسلمانوں کو لایا تھا اپنی قوم کے سرداروں کو کہلا بھیجا کہ میں مسلمانوں کو لے آیا ہوں۔ اب تم ان کے قتل کا انتظام کرو۔ چنانچہ پہلے مسلمانوں میں سے ایک نمائندہ کو بھجوایا گیا جو قبیلہ کے سردار سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کو پیچھے سے نیزہ مار دیا گیا۔ اس کے بعد سب قبیلہ نے مسلمانوں کی جماعت پر (وہ جو گاؤں سے باہر تھی) حملہ کر دیا۔ اِس واقعہ کی نسبت ایک شخص جو بعد میں مسلمان ہو گیا اور جو اس حملہ میں شریک تھا بیان کرتا ہے کہ جب میں نے ایک مسلمان کے پیچھے سے نیزہ مارا تو اس نے زمین پر گرتے ہوئے کہا فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ۔ 4 خانہ کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس شہید ہونے والے پر گھبراہٹ اور بے چینی کے کسی قسم کے آثار نہ تھے۔ یہ شہید ہونے والے حضرت ابوبکرؓ کے غلام تھے جو ہجرت کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ شامل تھے۔ وہ راوی کہتے ہیں کہ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ ان لوگوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور یہ لوگ وطن سے دور، اپنے بیوی بچوں سے دور ہیں، اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے دور ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے منہ سے یہ نہیں نکلتا کہ ہائے میں کہاں مارا گیا۔ اور کسی نے کوئی واویلا اور بے چینی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اگر کسی کے منہ سے کچھ نکلا تو یہ کہ خدا کی قسم! مَیں کامیاب ہو گیا۔ میں حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ میں نے ایک شخص سے جو کہ مسلمانوں کے متعلق زیادہ واقفیت رکھتا تھا اس بات کا ذکر کیا کہ میں نے آج بہت عجیب قسم کا نظارہ دیکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے ہم جب کسی کو قتل کرتے تھے تو ہر ایک کے منہ سے یہ نکلتا تھا۔ فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ ۔ کہ خدا کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا مر جانا کامیابی ہے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنے کو مسلمان سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جب میں نے یہ بات سُنی تو میں نے کہا وہ دین جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ 5 جس کے ماننے

والے اپنی قربانی کو اس درجہ تک لے گئے ہیں کہ وہ موت میں ہی اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ میں مسلمان ہو گیا۔

پس اصل بات یہی ہے کہ جب ایمان آجاتا ہے تو انسان کو اپنی قربانیوں میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے اور انسان جتنی زیادہ قربانی کرتا ہے اتنی ہی زیادہ اُسے لذت محسوس ہوتی ہے اور وہ قربانی تکلیف کا باعث نہیں محسوس ہوتی بلکہ راحت کا موجب بنتی ہے۔ اور جتنا جتنا انسان قربانی میں ترقی کرتا ہے اتنا ہی اُسے زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی چیتے نے سخت کُھر درے پتھر کو چاٹنا شروع کیا۔ اس سے اُس کی زبان زخمی ہو گئی اور اس کو اپنی زبان کا خون ہی مزا دینے لگا۔ اور وہ اس پتھر کو اور بھی زیادہ چاٹتا چلا گیا یہاں تک کہ زبان بالکل ختم ہو گئی۔ تو کامل مومن کا بھی یہی حال ہوتا ہے وہ جوں جوں قربانی کرتا ہے اُتنا ہی اس میں اُسے لطف اور مزہ آتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کے وقت بھی وہ یہ کہتا ہے کہ فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ کہ میری زندگی کے ختم ہونے سے مجھے میرا انعام نظر آ رہا ہے۔ اگر کسی شخص کو قربانی کی زیادتی سے لطف آتا ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے اندر ایمان ہے۔ اور اگر قربانی کی زیادتی کی وجہ سے کسی کے دل میں انقباض پیدا ہوتا ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ متاعِ ایمان سے محروم ہے کیونکہ ایمان کی یہ علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انسان قربانی کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اور اس کے دل میں انقباض پیدا نہیں ہوتا۔'' (الفضل 15 جولائی 1947ء)

1: مسلم کتاب الزهد والرقائق باب الدنیا سجن للمؤمن (الخ)

2: اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ (النساء: 105)

3: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 274 مطبوعہ مصر 1936ء

4: بخاری کتاب المغازی باب غزوة الرجیع (الخ)

5: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 196 مطبوعہ مصر 1936ء